رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

فرخندہ بنیاد حیدرآباد دکن

ہفتہ وار

مملکت

ایڈیٹر: میر حسن الدین بی اے ال ال بی (عثمانیہ)

شرح چندہ
سالانہ ... ے
ششماہی ... ہر

قیمت فی پرچہ (۲؍)

قیمت پرانا پرچہ (۴؍)

جلد (۹) | ۱۷ / خورداد ۱۳۵۸ ف | ۱۷ / جمادی الثانی ۱۳۶۸ھ | ۱۷ / اپریل ۱۹۴۹ء روز یکشنبہ | نمبر (۱)

رجسٹرڈ نمبر آصفیہ (۱۸۰)

شرح چندہ
سالانہ ... ے
ششماہی ... ہر

شام میں انقلاب

عوامی دور کا آغاز

شام میں کسی خونریزی کے بغیر اچانک ایک زبردست انقلاب آگیا۔ فوج نے بغاوت کردی صدر اور کابینہ کے تمام وزراء کو قید کر کے سپہ سالار اعظم ڈکٹیٹر بن گئے۔ پارلیمان کے ممبروں کو طلب کر کے نئی حکومت بنانے کے مشورے ہونے لگے۔

یہ اچانک انقلاب بیرونی دنیا کے لئے سخت حیرت کا باعث بنا۔ شام میں ایسی کوئی خاص بدامنی بھی نہیں تھی اور نہ کوئی سیاسی تحریک زوروں پر نظر آرہی تھی۔ اس انقلاب کی اصل وجہ اب تک قطعی طور پر معلوم نہ ہو سکی ایک اسرائیلی ترجمان نے کہا کہ چونکہ شامی حکومت ملک کے اقتصادی مسئلہ کو حل نہ کرسکی اور رشوت ستانی بڑھ گئی اس لئے بغاوت ہوگئی۔ اگر صرف یہی وجہ ہوتی تو بغاوت فوج کی طرف سے نہیں بلکہ عوام کی طرف سے ہوتی اور ان پر گولیاں چلائی۔ فرانس کے دفتر خارجہ کے ترجمان نے کہا کہ یہ بغاوت شاہ عبداللہ کی شام عظیم تحریک کے خلاف ہوئی ہے مصری خود حیران ہیں۔ تاہم یہ دونوں باتیں کہی جارہی ہیں کہ یہ انقلاب یا تو شام عظیم کے حق میں ہے یا اس کے خلاف ہے۔

ایک عربی اخبار حریہ مزید دو اسباب بتاتے ہیں ایک یہ کہ شامی حکومت اسرائیل حکومت سے بات چیت کرنے آمادہ ہوگئی لیکن لبنان نے اپنی فوجوں کو ہٹالیا۔ اور دوسری وجہ یہ کہ امریکی کمپنی کو تیل کی مراعات دیدیں لیکن شام کے نئے ڈکٹیٹر سپہ سالار اعظم حسینی زعیم نے پریس کانفرنس میں بغاوت کی یہ وجہ بتائی کہ شامی پارلیمان کے اندر اور باہر شامی فوج پر حملے ہوتے رہے ہیں۔ ان مختلف بیانات کے پیش نظر غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ اسباب ایک دو نہیں بہت سے ہیں لیکن سب سے بڑا سبب حکومت اور فوج میں تصادم ہے حکومت فوج کا اعتماد حاصل نہ کرسکی اور فوج پر اپنا کنٹرول نہ رکھ سکی۔ ایک حکومت کی اس سے بڑھ کر کوئی کمزوری نہیں ہوسکتی کہ وہ فوج کا اعتماد اور کنٹرول کھو دے۔ جب فوج حکومت کے خلاف متحد ہوگئی تو بغاوت کے لئے متعدد اسباب کا پیدا ہوجانا کوئی تعجب خیز بات نہیں۔

فی الوقت شام پر فوج کا راج ہے لیکن حسینی زعیم نے اعلان کیا ہے کہ بہت جلد دستوری حکومت قائم کی جائے گی۔ چنانچہ اسی پارلیمان کا اجلاس جس کے اندر فوج کے خلاف بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ فوج ہی کی طرف سے نئی حکومت تشکیل دینے کے لئے بلایا گیا ہے سابق وزیر اعظم فارس الخوری سے بھی فوج بات چیت کر رہی ہے تو نئی حکومت قائم ہوجائے گی لیکن یہ ظاہر ہے کہ نئی حکومت بھی فوج کے زیر اثر رہے گی۔ چونکہ اس وقت فوج فاتح بنی ہے۔ ہر حکومت کو فوج کے اشاروں پر کام کرنا پڑے گا۔ اس طرح اندیشہ ہے کہ ایک مدت تک شام میں فوجی اقتدار بحال رہے گا اور سپہ سالار اعظم حسینی زعیم شام کے اصل ڈکٹیٹر بن کر رہ گئے۔

مشرق وسطی میں اسرائیلی ایک طاقتور حکومت قائم ہوگئی ہے اندیشہ ہے کہ اگر عرب ممالک اس قدر کمزوریوں کا شکار رہے تو اسرائیل کو اپنے دائرۂ اثر کو وسعت دینے کے لئے کافی مواقع فراہم ہوتے رہیں گے۔ عرب ممالک کی یہ کمزوریاں اسرائیل کے لئے مزید طاقت کا باعث ہوں گی۔

ترکی میں پارلیمانی سیاست

ترکی میں جو نئی حکومت قائم کی گئی ہے اسے کئی مشکل اور انتہائی پریشان کن مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا جن میں ۱۹۴۹ء کے لئے گرانڈ نیشنل اسمبلی کو ترکی کے بجٹ کی منظوری حاصل کرنا دشوار ترین مسئلہ ہے۔ ترکی کا مالی سال یکم جنوری سے شروع ہونا چاہئے۔ لیکن یکم نومبر ۱۹۴۸ء کو دستور کے مطابق بجٹ پیش کر دیا گیا تھا جو ابھی تک زیر بحث ہے۔ اسمبلی کی مالی کمیٹی میں ہر جانب شدید اعتراضات کئے گئے ہیں اور بجٹ کی منظوری میں تاخیر کی اصل وجہ یہی ہے۔ جس کا نتیجہ یہی ہوا کہ ترکی کے ۲۵ سالہ پارلیمانی دور میں پہلی مرتبہ ترکی کو ماہانہ عارضی قرضہ جات سے کام چلانا پڑ رہا ہے۔ اس وقت تک اسی طرح ترکی کا کام چلے گا جب تک مالی کمیٹی اور اسمبلی قطعی طور پر بجٹ منظور نہ کرلیں۔ سابق وزیر مالیات مسٹر شوکت سدلان کے پیش کئے ہوئے بجٹ میں تقریباً دس کروڑ پونڈ کی بیداکی گئی تھی لیکن اس سے پہلے ترکی بجٹ میں جو کمی ہوا کرتی تھی اس کے مقابلہ میں یہ زیادہ نہیں ہے۔

(باقی ہفتوی ...)

۷۸۹/۷۹۲

ہفتہ وار

مملکت

۱۷ ارخورداد ۱۳۵۸ ف

شذرات

کانگریس غلطی کررہی ہے

قارئین مملکت واقف ہیں کہ ۱۰ ستمبر کے بعد ہم نے مسلمانوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ اب وہ سیاسیات کے میدان کو ـــــ جہاں وہ شکست کھا چکے ہیں ـــــ خیرباد کہہ دیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ہندو بھائیوں نے مسلمانوں کی مدد کے بغیر بلکہ مسلمانوں کے مقابلہ میں فتح حاصل کی ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہرگز یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ بلا کسی استحقاق کے فتح کے ثمرات میں حصہ دار بنیں۔ کیا کانگریس کو مسلمانوں کی ضرورت ہے؟ جب ایک جواہر لال، ایک راجندر پرشاد یا ایک راجگوپال چاری اپنی شخصی عظمت کے باوجود کل ہند کانگریس کو فرقہ پرستوں سے محفوظ نہ رکھ سکے تو ان بزرگ ہستیوں کے مقامی نام لیوا حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کی جبلت کو اس طرح منقلب نہیں کر سکتے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں۔ اس حقیقت سے قطع نظر مسلمان ۱۰ ستمبر سے پہلے غلطی سے ہی ایک خاص نظریہ کے حامل تھے۔ قارئین "مملکت" واقف ہیں کہ ہم نے اپنی اٹھارہ سالہ زندگی میں نہ صرف فرقہ واری سیاسیات کے خلاف آواز بلند کی بلکہ مشترکہ کابینہ اور نظام کے قیام کے خواہاں اور کوشاں رہے۔ ہماری اور ہمارے بعض احباب ـــــ مثلاً میر اکبر علی خاں صاحب بیرسٹر، مولوی محمد علی صاحب موسوی، نواب احمد علی خاں صاحب، ڈاکٹر لطیف سعید مرحوم، مولوی عبداللہ پاشا مرحوم وغیرہ ـــــ کی ناکامی کے باوجود ہم اپنے اس عقیدہ میں اٹل رہے کہ مجلس اتحاد المسلمین کے بعض سیاسی نظریے، اس کا طریقہ کار غلط اور مجلس کے کارکن مخلص اور بہترین رنگ کی اعلیٰ صفات سے متصف تھے جو شخص پرچے "مملکت" کے پڑھتے رہتے ہیں وہ اس امر کا اطمینان کر سکتا ہے کہ ہم نے کبھی فرقہ واری سیاسیات کی تائید نہیں کی بلکہ اتحاد المسلمین کے پروگرام کے ان اجزاء کی ضرور تائید کی تھی جن کا منشا اکثریت کی جارحانہ فرقہ واریت کے خطرناک اثرات سے محفوظ رہنا تھا۔

اسی توضیح کے بعد ہمارا مسلمانوں کو یہ مشورہ کہ وہ سیاسیات کے میدان سے دور رہیں اور حکومت وقت کی اطاعت کریں قطعاً اس امر کے مرادف نہیں کہ مسلمانوں کو فرقہ واری سیاسیات کا سبق پڑھایا جائے۔ ہم مسلمانوں کو ہر قسم کی سیاسیات سے دور رکھنا چاہتے ہیں خواہ وہ فرقہ واری ہو یا غیر فرقہ واری۔ ۱۰ ستمبر سے قبل ہم مسلمانوں کو فرقہ واری سیاسیات سے دور رکھنا چاہتے تھے اور آج ہم انہیں غیر فرقہ واری سیاسیات سے بھی دور رکھنا چاہتے ہیں۔ مسلمانوں نے ہمارا مشورہ اس وقت قبول نہیں کیا اور نقصان اٹھایا اگر آج بھی قبول نہیں کریں گے تو نقصان اٹھائیں گے۔ اگر اس مشورہ کی بنا پر کوئی ہم پر یہ الزام لگائے کہ ہم کانگریس کے مخالف ہیں یا فرقہ واری ذہنیت کے حامل تو ہم اس الزام کا جواب صرف سکوت ہی سے دیں گے کیونکہ ہمیں اطمینان ہے کہ ہم صحیح راستہ پر ہیں نیز ہمارا مشورہ صرف مسلمانوں کے لئے مفید نہیں بلکہ کانگریس کے لئے بھی مفید ہے۔ ہم کانگریسی لیڈروں سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کو اپنے زمرہ میں شریک کرکے ایک نئی مصیبت مول لیں گے۔ مسلمانوں کی خدمت میں ہم دوبارہ عرض کریں گے کہ سیاسی چہل پہل انہیں راس نہیں آئے گی۔ انہیں صرف اپنی معاشی اور ثقافتی زندگی پر متوجہ ہو جانا چاہئے۔

عہد حاضر کی ہوا راس نہیں ہے تم کو
اپنے نقصان کا احساس نہیں ہے تم کو

مرزا صاحب زیادتی کر رہے ہیں۔

معاصر "دکن کرانیکل" اپنے ایک اداریہ میں اور مسٹر باقر علی مرزا اپنے ایک بیان میں جو ۱۰ اپریل کو "نئی زندگی" میں دکن نیوز کے حوالہ سے شائع ہوا ہے یہ فرماتے ہیں کہ "بعض لوگ مسلمانوں کو کانگریس میں شرکت سے روک رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ حیدرآباد کا مسئلہ صیانتی کونسل میں موجود ہے اور کانگریس سے بائیکاٹ کیا جائے تو انگلستان ان کی مدد کرے گا اور پچھلی حالت پر مسلمان آ جائیں گے" ہم "دکن کرانیکل" اور مسٹر باقر علی مرزا کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کی موجودہ ذہنی کیفیت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ مسلمان ایک شریف سپاہی کی طرح بازی ہار چکا ہے اور اپنی شکست کو ایک امر واقعہ کے طور پر تسلیم کر چکا ہے۔ وہ کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں ہے۔ وہ اپنا صحیح مقام محسوس کر رہا ہے۔ اب مسلمان امن پسند صرف زندہ رہنا چاہتا ہے۔ اگر مسلمانوں میں ذرا بھی تدبر ہے تو وہ دکن ہی میں نہیں ہندوستان میں بھی ہر قسم کی سیاسی جدوجہد اور کشمکش سے علیحدہ رہیں گے۔ پس اگر ہم مسلمانوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ کسی سیاسی پارٹی سے الگ رہیں تو اس کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ ہم مسلمانوں کو کسی شورش کے لئے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بات اب ہمارے خواب میں بھی نہیں آ سکتی۔ ہم نے اس مسئلہ پر جذباتی نہیں بلکہ معروضی ہر زاویہ نگاہ سے غور کیا ہے اور ٹھنڈے دل سے غور و فکر کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ مسلمانوں کو سیاسی جماعتوں اور اداروں سے دور رہنا اور حکومت وقت کی اطاعت کرنی چاہئے۔ اگر اس مشورہ کے جواب میں مسلمانوں کو یہ دھمکی دی جائے کہ وہ کانگریس میں شریک نہ ہوں گے تو محفوظ نہ رہیں گے تو اس دھمکی کا ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ اپنی جان، عزت و آبرو اور ذرائع معاش کی حفاظت کے لئے انسان سب کچھ کرتا ہے۔ اس دھمکی کے اثر سے اگر مسلمان کانگریس میں شریک ہو جائیں تو ہم ان پر قطعاً معترض نہ ہوں گے کیونکہ جان بچانا ایک فطری امر ہے۔ اس سلسلہ میں ہمیں ایک معتبر ذریعہ سے اطلاع ملی ہے کہ ایک مسلم خاتون اپنی مسلمان بہنوں کو یہ کہہ کر کانگریس میں شریک کر رہی ہیں کہ اگر تم شریک ہو جاؤ تو تمہاری جان تمہاری عزت محفوظ رہے گی اور تمہارے شوہر بھی ملازمت پر برقرار رہیں گے وغیرہ۔ جب ہم نے یہ خبر سنی تو اس کو ایک ناواقف مسلم خاتون کے غیر ذمہ دارانہ جوش پر محمول کرتے ہوئے اس کو ہم نے قابل اعتنا نہیں سمجھا لیکن ہماری حیرت کی انتہا نہیں رہی جب ہم نے اخبار "نئی زندگی" مورخہ

۱۰ اپریل کے صفحہ (۶) پر مسٹر باقر علی مرزا کا ایک بیان پڑھا جو دکن نیوز کے حوالے سے شائع ہوا ہے اور جس میں نہایت دبی زبان سے مسلمانوں کو رہنمائی دیتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "اس وقت کانگریس میں شریک ہو جائیں تو حفاظت کے ذرائع پیدا ہو جاتے ہیں" ہم نہیں سمجھتے کہ یہ کانگریس کی سرکاری رائے ہے لیکن اگر سٹیٹ کانگریس کی اکثریت مسٹر باقر علی مرزا سے متفق ہے تو ہم بھی مسلمانوں کو مشورہ دیں گے کہ وہ ۳۰ اپریل سے پہلے کانگریس میں شریک ہو جائیں اور اپنی حفاظت کا پروانہ حاصل کرلیں۔ لیکن یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حیدرآباد سٹیٹ کانگریس اس موقف میں ہے کہ کانگریس میں شرکت کے بعد وہ مسلمانوں کی جان و مال عزت و آبرو کی حفاظت کر سکے؟ کیا غیر سماجی عناصر پر کانگریس نے قابو پا لیا ہے؟ اب تک جو کچھ ہوا کیا اس لئے ہوا تھا کہ مسلمانوں نے کانگریس کی قیادت قبول نہیں کی تھی؟ اگر اس بات کا جواب نفی میں ہے تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ ہندو قوم کے اصلی کارکن کانگریس کے باہر ہیں۔ ایسی صورت میں کانگریس کس طرح اس امر کی ضمانت دے سکتی ہے کہ شرکت کے بعد مسلمان مزید مصائب سے محفوظ رہیں گے بہرحال یہ مسائل اتنے آسان نہیں ہیں جیسا کہ مسٹر باقر علی مرزا اپنے بیان میں ظاہر کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ مرزا صاحب آج سے نہیں بلکہ ربع صدی سے کانگریس میں شریک ہیں۔ جب اس طویل مدت میں مرزا صاحب کانگریسی کارکنوں کی ذہنیت کو متاثر نہ کر سکے تو ظاہر ہے کہ مولانا آزاد کی طرح مرزا صاحب میں وہ صلاحیت ہی نہیں جو کانگریسی کارکنوں کے دل و دماغ کو متاثر کر سکے۔ ایسی صورت میں دوسرے مسلمانوں کو دعوت شرکت دینے کا حق مرزا صاحب کو نہیں پہنچتا۔ ہم مرزا صاحب کا ہمیشہ احترام کرتے رہے ہیں لیکن اس کے یہ معنے نہیں کہ ہم مرزا صاحب کے ہر مشورہ کی تائید کریں۔ ہم ایسا محسوس کر رہے ہیں کہ ہمارے محترم دوست اپنے حدود سے کچھ بڑھ رہے ہیں۔

اب تک تو خیریت ہے۔

اس ہفتہ سے "مملکت" کی زندگی کا نواں سال شروع ہوتا ہے۔ ہم قارئین "مملکت" کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اپنے چندوں سے ہمیں آج تک زندہ رکھا ہمیں اس کا احساس ہے کہ اس آٹھ سال کی مدت میں اپنی کوششوں کے باوجود ہم اپنے ملک اور قوم کی کوئی خدمت انجام نہ دے سکے۔ لیکن ہم مسلسل اس کوشش میں لگے رہے کہ اپنے آپ کو ملک و قوم کے لئے مفید بنائیں۔ تجارتی اعتبار سے بھی ہم ناکام ہی رہے لیکن جس چیز سے حوصلہ افزائی ہوتی رہی وہ بعض احباب کا یہ جملہ تھا "آپ ٹھیک راستہ پر ہیں"۔ اگر بے لوث ارباب فکر کی اخلاقی تائید حاصل رہے تو کیا عجب ہم اوروں کو بھی ٹھیک راستہ پر لگا دیں۔ بہرحال اگر زندگی رفاقت کرے تو ہم اپنے عزم خدمت گزاری کو کبھی کمزور نہیں پڑنے دیں گے۔ انشاء اللہ۔

دولت مشترکہ سے ہندوستان کے تعلقات

ڈیلی میل نے پنڈت نہرو وزیر اعظم ہندوستان سے مسٹر وارڈ پرائس کے انٹرویو کی روداد کو اپنے پہلے صفحہ پر شائع کیا ہے جس کا تعلق ہندوستان اور دولت مشترکہ سے ہے۔

اس ملاقات میں پنڈت نہرو نے بتلایا ہے کہ ہندوستان ایک آزاد جمہوریہ بنایا جا رہا ہے اور اس مفروضہ کے تحت وہ دولت مشترکہ سے اپنے تعلقات کو شکل دینا چاہتا ہے۔

پنڈت نہرو نے یہ واضح کرنے کے بعد کہ یہ مسئلہ اچانک پیدا نہیں ہو گیا یہ بتلایا کہ ایک جمہوریہ کو دولت مشترکہ میں جگہ دینا کچھ مشکل نہیں ہے۔

پنڈت نہرو نے کہا کہ تبدیلی صرف ظاہری ہے کیونکہ ڈومینین کے گورنر جنرل کا تقرر ملک معظم کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت میں ان کا انتخاب متعلقہ مملکت کی حکومت کرتی ہے اور تاج کی جانب سے اس کی منظوری خود بخود مل جاتی ہے۔

بالکل اسی طرح جب میں کسی سفیر کا انتخاب ہندوستان کی نمائندگی کے لئے کرتا ہوں تو اس کی اطلاع میں براہ راست ملک معظم کے پرائیوٹ سکریٹری کو دیتا ہوں جس کی فوراً منظوری آجاتی ہے۔

ہندوستانی جمہوریہ کا صدر، گورنر جنرل کی جگہ ہوگا۔ جو مملکت کا صدر رہے گا۔ صدر کی اس تبدیلی کا اثر دولت مشترکہ سے تعلقات پر نہیں ہو سکتا۔

مسٹر وارڈ پرائس نے سوال کیا کہ آیا ہندوستانی مفادات کے تحت یہ ممکن ہے کہ وہ دولت مشترکہ کے دفاع میں حصہ لے۔

پنڈت نہرو نے جواب دیا کہ ہندوستان کے لئے یہ بات ناممکن ہے کہ وہ کسی ایسے معاہدہ کو قبول کرے جو لازماً اس کو جنگ میں گھسیٹے۔

تا حال یورپ مرکز اور ایشیا ذیلی حصہ رہا ہے لیکن اب ایشیا دنیا کی ایک بڑی جارحانہ تحریک کا مرکز بنا ہوا ہے جس کا اظہار ایشیا کے اکثر ممالک کی موجودہ ابتر صورت حال سے ہو سکتا ہے۔ اگر کہیں بھی جنگ چھڑ جائے تو پھر اس کا عالمگیر ہو جانا یقینی ہے۔ یہ ممکن ہے کہ ہندوستان کی ان مسائل میں شرکت اس کے حق میں بہتر نہیں لیکن اس کا تصفیہ تو آنے والے حالات ہی کریں گے۔

ایک ایسا ہندوستان جس کے تعلقات تمام اراکین دولت مشترکہ سے خوشگوار ہوں ایک بہتر دوست ثابت ہوگا۔ بہ نسبت اس کے کہ اس سے چند محدود فوجی معاہدے کر لئے جائیں۔

دولت مشترکہ کے دوسرے اراکین کی طرح ہندوستان کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ وہ چاہے تو کسی ایسی جنگ میں حصہ لینے سے انکار کر دے جس میں ممکن ہے کہ برطانیہ کو شامل ہونا پڑے۔

ناظم استصواب عامہ

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے ہندوستان و پاکستان کی طرف سے جاری کی ہوئی ایک اطلاع میں بتایا گیا ہے کہ ناظم استصواب عامہ امیر البحر چیسٹر نمٹز ۳۰ اپریل کو ہندوستان و پاکستان کے لئے نیویارک سے روانہ ہوں گے۔

امیر البحر نمٹز جو اپنے مختصر سے عملہ کے ہمراہ آرہے ہیں اولاً کراچی اور دہلی میں مشاورتی گفتگو میں کریں گے۔ اس کے علاوہ وہ اور ان کا اسٹاف کشمیر کے مقامی حالات سے بھی واقفیت حاصل کرے گا۔

امیر البحر جتنا جلد ممکن ہو سکے گا سری نگر میں اپنا صدر دفتر قائم کریں گے۔

آج دوپہر ڈاکٹر الفریڈ لوزانو اور مسٹر کارکس اے مگرامن نے سری نگر جا کر

(باقی بر صفحہ ۶)

سیاسی نمک پارے

از

کشاف

باتنقید :-

سوشلسٹ پارٹی انتخابات جیتنا چاہتی ہے اور اس غرض کے لئے کانگریس پر سرمایہ داروں کا ادارہ ہونے کا الزام لگا رہی ہے ۔ مگر بلدیۂ بمبئی کے انتخابات میں سوشلسٹ پارٹی کی جانب سے جو امیدوار کھڑا کئے گئے ہیں ان کو اشتراکیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ۔ ان میں سے تو ایک مشہور سرمایہ دار راشٹریہ سیوک سنگھ کا حامی ہے ۔ زیادہ حیرت تو یہ ہے کہ سوشلسٹ پارٹی فنڈ میں گو مشہور کے سرمایہ دار جیسے رام رتن گپتا وغیرہ سے بھی روپیہ حاصل کیا گیا ہے ۔ (فری پریس جرنل)

سوامی راما نند تیرتھ اپنی ایک تقریر میں فرماتے ہیں :-

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ حیدرآباد کی تحلیل کر دی جائے اور اس کو متصلہ صوبوں میں ضم کر دیا جائے ۔

ریاست حیدرآباد کی تحلیل کے ساتھ خود حیدرآباد اسٹیٹ کانگریس کی بھی تحلیل ہو جائے گی پھر اسٹیٹ کانگریس میں شرکت کی دعوت چہ معنے دارد ؟ ۔ اس معمہ کو یا تو سوامی جی سمجھ سکتے ہیں یا مسٹر باقر علی مرزا ۔

رموز مصلحت خویش لیڈراں دانند

معاصر "دکن کرانیکل" لکھتا ہے :-

ہمیں یہ اطلاع ملی ہے کہ قوم پرست مسلمانوں نے کانگریس میں مسلمانوں کو شریک کرنے کی جو مہم شروع کی تھی اس میں رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے

معاصر موصوف قوم پرست ہندو اور قوم پرست مسلمان کا امتیاز بھی باقی رکھنا چاہتا ہے اور غیر مذہبی مملکت کا بھی راگ الاپتا ہے ۔

معاصر "دکن کرانیکل" مشورہ دیتا ہے کہ :-

مسلمانوں کو اسٹیٹ کانگریس میں شریک ہونے کا حق ہے ۔ انھیں ملک کی آئندہ حکومت میں حصہ لینے کا حق ہے ۔

کیا حکومت میں ۱۲ فی صد سے زیادہ حصہ ملے گا ؟ ۔

"دکن کرانیکل" کو شکایت ہے کہ :-

اب بھی حیدرآباد کے مسلمان اس خوش فہمی کا شکار ہیں اور یہ کہ چارمینار کے اطراف بعض ہوٹلوں میں یہ کانا پھوسی ہو رہی ہے کہ معین نواز جنگ حکومت برطانیہ سے مل کر ادارۂ اقوام متحدہ میں حیدرآباد کے مسئلہ کو اٹھائیں گے ۔

چارمینار کی گپ تو مشہور ہے

مسلمان ماضی کو بھول جائیں ۔ (اخباری سرخی)

ماضی کو ہم بھی بھول جانا چاہتے ہیں مگر شاہد صدیقی صاحب کو دیکھتے ہی ۱۷ ستمبر سے پہلے کا وہ دور یاد آ جاتا ہے جب انجمن مصنفین کے ارکان جلب منفعت کے لئے لشکر گاہ میں گھس گئے تھے لیکن شاہد صدیقی صاحب فی سبیل اللہ قاسم رضوی کی تائید کر رہے تھے اور اب نہایت خلوص سے نئے دور کی حمایت کر رہے ہیں ۔ بہرحال ماضی ابھی زندہ ہے ۔

سوامی راما نند تیرتھ نے بلی چرو میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ :-

موجودہ فوجی حکومت چند روز کی ہے اس کے بعد غریبوں کی حکومت قائم ہوگی ۔

کیا ہمارے لیڈر سب غریب ہیں ؟ ۔

دنیا بھر کے سامراجی ایک ہو گئے ۔ (پیام)

سوال یہ ہے کہ دنیا بھر کے ترقی پسند ایک ہو جانے کے بعد بھی کیا کر رہے ہیں ؟ (صبح دکن)

ترقی پسند کیا کر رہے ہیں ؟ فی الحال بال بڑھا رہے ہیں ۔

پاکستانی بحری بیڑہ میں عورتیں بھی لی جائیں گی ۔ (اخباری سرخی)

تعجب کیا اگر کشتی میں طوفان آ جائیں

اخباری اطلاع ہے کہ :-

سوامی راما نند تیرتھ نے ریاستی وزارت کی ایک رپورٹ پر سخت احتجاج کیا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اس عامہ کی بحالی میں ریاست کی کسی سیاسی جماعت نے حکومت ہند سے تعاون نہیں کیا ۔

لوگ پوچھ رہے ہیں کہ مسٹر باقر علی مرزا نے کیوں احتجاج نہیں کیا ؟ ۔

مخلوط تعلیم کے عنوان کے تحت معاصر "میزان" لکھتا ہے کہ ابتدائی مدارس میں لڑکوں کے ساتھ لڑکیاں بھی شریک کر لی جا سکیں گی بشرطیکہ والدین کی رضامندی ہو ۔

اس زمانہ میں والدین کی رضامندی کوئی اہمیت نہیں رکھتی صرف لیڈروں کا اشارہ کافی ہے ۔

یونیورسٹی سے لوٹتے ہوئے

افسانہ

رازداں

ہماری سب کی زندگی کدھر جا رہی ہے؟

جدھر دیکھئے انتشار۔ جدھر نظر دوڑائیے بے چینی۔ افکار و خیالات میں، جذبات میں، تاثرات میں۔ نہ کوئی منزل متعین ہے نہ کوئی مقصد متعین ہے نہ کوئی مقصد پیش نظر ہے۔ ہم ہیں کہ بس چلے جا رہے ہیں اور چلے جا رہے ہیں۔ بے مقصد، بے ارادہ، بغیر سوچے سمجھے، بغیر جانے بوجھے۔ بھیڑوں کے ریوڑ کی طرح چلے جا رہے ہیں نہیں معلوم کدھر اور نہیں معلوم کیوں۔ سیاسیات کی دنیا میں آئیے تو آج تک یہ فیصلہ نہ ہو سکا کہ لوگوں کو کس قسم کی حکومت بنانا چاہئے، ریاست کا کون سا مفہوم صحیح ہے۔ صحیح نمونۂ حکومت اور فرمانروائی کیا ہے۔ اعتقادات کی دنیا میں آئیے تو نہ خدا کی ہستی سمجھ میں آتی ہے نہ اس کے کام سمجھ میں آتے ہیں اور نہ اس کی ہستی سے قطعی انکار ہی کئے بن پڑتی ہے۔ اخلاقیات کے میدان میں قدم رکھئے تو یہی پتہ نہیں چلتا کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا۔ نیک کیا ہے اور بد کیا؟ ایک چیز اچھی کیوں ہے اور بری کیوں؟ کسی معمولی آدمی سے ان باتوں کا تذکرہ کیجئے تو وہ چھوٹتے ہی یہی کہے گا کہ میاں یہ سب پیٹ بھروں کی باتیں ہیں، فرصت والوں کے مشغلے ہیں۔ یہاں صبح سے شام تک روٹی کمانے اور تن کی فکروں کے علاوہ مہلت کہاں کہ ایسے دور از کار اندیشوں میں پڑیں۔ سچ ہے۔ اقتصادی مسئلہ الگ ہے کہ کون سا معاشی نظام سامنے رکھا جائے کہ سب کا پیٹ بھرے اور انسان کم از کم اس دوزخ سے تو مطمئن رہ سکے۔ تن کی خاطر وہ صبح سے شام تک بیل بنا رہتا ہے کچھ تو اس کو جو مہلت ملے کسی وقت وہ اپنے کو انسان سمجھ سکے۔ بقول شخصے ان میں سے کسی مسئلہ کو لیجئے ہر طرف اندھیرا اور تاریکی ہی نظر آتی ہے کسی طرف بھی ایسی روشنی یا کرن نظر نہیں آتی جو دور دور تک ہمیں لے جا سکے۔ ہماری حالت عجب کشمکش کی ہے۔ کبھی ہم کسی منطقی باتیں سامنے رکھتے ہیں کبھی کسی سہارا کا دامن پکڑ پاتے ہیں۔ چلنے میں ٹھوکر کھاتے ہیں، ہر ایک تیز رو کے ساتھ۔ لیکن نتیجہ معلوم۔

خاص کر ہندوستان میں تو تمام تر ہمارا دار و مدار تقلید پر ہے۔ ہندوستان ہمیشہ اپنے فاتحوں کے نقش قدم پر سجدے کرتا رہا ہے۔ چنانچہ آج کل بھی ہم سب باتوں میں ہر قسم کے نظریوں میں مغرب والوں کی پیروی کر رہے ہیں۔ کبھی اشتراکیت کا نمونہ اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ کبھی الحاد و بے دینی سے آسمانی خدا کو بھلا کر اپنے ہی کو خدا سمجھنے لگتے ہیں۔ کبھی انسان کو جانور سے زیادہ اہمیت نہیں دینا چاہتے۔ کبھی شہوت اور بھوک کو بس لوازمات زندگی قرار دیتے ہیں۔ کبھی اچھے اور برے کا سرے سے امتیاز ہی اٹھا دینا چاہتے ہیں۔ غرض کہ خود ہم نے اپنی سمجھ کو بالائے طاق رکھ دیا ہے اور مغرب کے مادی تصور زندگی کو اپنے لئے شمع ہدایت سمجھ رکھا ہے اور بھول کر بھی نہ یہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنا چاہتے ہیں کہ۔

پیرے کہ خود گم است کرا رہبری کند

لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کریں بھی تو کیا کریں۔ ہمیں بھی تو کیا۔ لے دے کے ہم مشرقیوں کے پاس ہمارے صحیفے ہیں جن کو ہم نے حل مشکلات کا طلسم اور گنجینۂ علوم رہے ہیں اور جن کے برتنے پر ہم نے علوم ظاہری سے ہمیشہ کنارہ کشی کی ہے لیکن ہمارے صحیفے رموز سربستہ ہیں انھیں کھولے کون اور سمجھے کون؟ جتنا سمجھ میں آتا ہے اس پر یقین کامل نہیں۔ تو پھر اب کیا کیا جائے۔ یا تو اپنے صحیفوں کو صحیح طور پر سمجھیں تاکہ مغرب کو سمجھا سکیں ورنہ پھر اپنے لئے دعائے مغفرت کریں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

آج کل حقیقت نگاری پر زور ہے لیکن حقیقت ہے کیا؟ یہ کسی کو نہیں معلوم۔ جو کچھ تم دیکھتے ہو جو کچھ تم سمجھتے ہو محض تمہاری نظر ہے اور تمہاری نظر کا ایک رخ ہے اور کچھ نہیں۔ کیا اشتمالیت، اشتراکیت یا فرائڈ کی ذہنیت سے نظر کل حقیقت کو واضح کرتے ہیں ہرگز نہیں۔ اشتمالیت اور اشتراکیت سوسائٹی کی ایک ایسی تشکیل چاہتے ہیں جس میں ہر شخص کو اس کی صلاحیت کے مطابق ضروریات زندگی مل سکیں نیز اس عدم مساوات کا سدباب ہو جائے جس کی بدولت سوسائٹی کا ایک فرد عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتا ہے اور دوسرا کھانے پینے تک کو ترستا ہے۔ یہ جذبہ بہت اچھا ہے اس کی صحت پر کون حرف رکھ سکتا ہے اور اس ظلم کی جو سوسائٹی میں ہو رہا ہے کون موافقت کر سکتا ہے

لیکن کیا یہ کل حقیقت ہے یا اگر اشتمالی یا اشتراکی نظام کل دنیا میں رائج ہو جائے تو پھر سوچنے اور سمجھنے کے لئے کچھ نہیں رہے گا؟ یہ خیال غلط ہے۔ تو بالکل ویسی بات ہے کہ کسی بھوکے سے پوچھا جائے کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں وہ کہے چار روٹیاں۔ بھوکے شخص کو یقیناً ہر جگہ روٹیاں نظر آئیں گی اور اس کی قوت فکر و عمل ہمہ وقت روٹیوں کے مرکز پر گھومتی رہے گی۔ بھوک یقیناً ہماری زندگی کا ایک ضروری جزو ہے لیکن کل نہیں۔ اسی طرح فرائڈ کی جنسیت کا حال ہے۔ قوت شہوی ضرور ہماری زندگی کا ایک لازمی جزو ہے کل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ بھوک یا شہوت کسی وقت ہمارے کل حواس پر چھا جائے لیکن وہ ہمیشہ اور ہر وقت ہمارے اعصاب اور ہوش و حواس پر طاری نہیں ہو سکتی۔ جب ان ضروریات کی تکمیل ہو جائے گی تب ہمارا شعور اور ذہن ضرور ان کی شدت سے آزاد ہو جائے گا اور فکر و احساس عمل اور وجدان کے لئے دوسرے میدان تلاش کرے گا۔ ہم ہر وقت اور ہمہ وقت ایک ہی فکر ایک ہی الجھن میں نہیں رہ سکتے یہ خلاف فطرت ہے اور اگر ہم رہیں تو جنون ہو جانا لازمی ہے اور جنون زندگی کی موت ہے۔ زندگی کثرت ہی میں صرف آسودہ ہوتی ہے، وحدت میں نہیں۔ اگر اس کی نظر کے سامنے کثرت کے تماشے نہ ہوں تو وحدت تماشا اجیرن ہو جائے۔

آج کل ادب کی زندگی کے ہر شعبہ پر گرسنگی اور شہوت سوار ہے۔ مغرب میں قلت پیداوار کے باعث ماکولات اور مشروبات کی ہمیشہ ضرورت رہی اور ہر مغربی کا ذہن ہمیشہ کسب معاش اور فراہمی غذا میں غرق رہا۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ وہاں کا فلسفۂ حیات بھی شدت سے مادی ہو جاتا۔ مارکس کا فلسفہ چنانچہ اسی ذہنی مادی کشمکش کا آخری نقطۂ عروج ہے۔ اسی طرح ان سرد ممالک اور بنجر زمینوں کے مغربیوں کے ذہن ہمیشہ وحشی رہے اور جب انھیں ذرا بھی عیش و عشرت نصیب ہوئی شراب ناب، نغمہ و رقص۔ زنا اور فحاشی کے جواز پیش کر کے انجمنیں اور اصول بنا لئے گئے۔ عیاشی غم کو بھلا دینے کا آسان ترین ذریعہ ہے۔ غم کو عورت اور شراب کے ذریعہ کون نہیں بھلانا جانتا کیجئے تو اعصاب سکون اور گداز کے لئے کب آسان سے آسان طریقہ قبول نہیں کر لینا چاہتے۔ نتیجتاً ہر مجنون جنسی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ بہت سستے قسم کا گر ہے۔ جان کس طرح بچائی جائے۔ جہاں فراہمی غذا میں جان لڑانا پڑتی ہو اور عورت و مرد دونوں کو مشترکہ اس کی فراہمی کا انتظام کرنا پڑتا ہو وہاں پردہ کا رواج کیسے ہونا اور جب

(باقی [illegible])

کمیونسٹ خطرہ کا انسداد

از

ایم نرسنگ راؤ

اب تک ہم نے مسئلہ کے صرف ایک ہی پہلو پر بحث کی ہے اور وہ منفی پہلو ہے۔ لیکن وہ کافی نہیں ہے۔ ہم کو اثباتی پہلو پر بھی غور کرنا چاہئے۔ ہم نے جس آزادی کے لئے اتنی لڑائی لڑی وہ صرف منفی آزادی نہیں ہونی چاہئے۔ محض یہ کافی نہیں ہے کہ ہماری شخصی آزادی میں حکومت کی مداخلت نہ رہے خود سرانہ طریقہ پر گرفتاری اور بغیر کسی عدالتی تحقیقات اور فیصلہ کے نظر بندی سے آزادی، مذہبی عقائد اور عبادت میں مداخلت سے آزادی، تحریر اور تقریر میں مداخلت سے آزادی، من مانے طریقے پر محصولات عائد کرنے اور وصول کرنے سے آزادی غرضیکہ ایسی آزادیاں ہیں جو منفی آزادیوں کی ہی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور محض ایسی منفی آزادیوں کا حصول کافی نہیں ہے۔ بلکہ جس آزادی کے لئے ہم نے لڑائی لڑی ہے اور جو آزادی ہم نے حاصل کی ہے وہ اثباتی بھی ہونی چاہئے۔ ورنہ وہ آزادی نہ ہوگی انراج ہوگا۔ اور ہم انراج نہیں چاہتے بلکہ ہم ایک ایسی آزادی چاہتے ہیں جو سماج کی اکثریت کو ترقی اور خوشحالی کے مواقع مہیا کرے۔ لہذا ہماری آزادی اور ہماری جمہوریت منصوبہ بند ہونی چاہئے اور یہی ایک حکمت عملی ہے جس کو ہم اختیار کر کے کمیونسٹوں کو شکست دے سکتے ہیں۔ اگر ہمیں اپنے سماج کو انقلابی زدوں سے بچانا مقصود ہے تو پہلے اپنے گھر کو سدھارنا ضروری ہوگا۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں صرف ایک محاذ پر لڑائی لڑنے پر اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ لڑائی کا ایک دوسرا محاذ بھی فوراً کھولنا ہے۔ اور یہ دوسرا محاذ تعمیر کا ہے۔

ضروریات زندگی کی محتاجی، بیماری، جہالت، [illegible] بیکاری اور غربت یہ پانچوں آزادی کے دشمن ہیں۔ اور ہمیں ان پانچوں دشمنوں کا مقابلہ کرنا ہے۔ اسی مقابلہ کے معنی یہ ہیں کہ لڑائی کا ایک دوسرا محاذ قائم کیا جائے۔ اور یہ کوئی آسان محاذ نہیں ہے۔ بہت کٹھن راستوں سے گزرنا ہوگا بہت ممکن ہے کہ اس محاذ پر لڑنے کی وجہ بعض ارکان خاندان اگر مقابلہ نہیں تو عدم تعاون کریں۔ لیکن میں خیال نہیں کرتا کہ انہیں ہمارے خلوص اور مقصد پر ہمارے ایمان کا یقین ہو جائے تو پھر کسی قسم کی مخالفت یا عدم تعاون کا اندیشہ باقی رہے گا۔ ضروریات زندگی کی محتاجی سے مقابلہ کوئی متنازعہ فیہ مسئلہ نہیں بن سکتا۔ اس کے معنی بالآخر یہی ہیں کہ ہر شخص کو پیٹ بھر کھانا اور ضروری پارچہ اور رہائش کے قابل مکان دستیاب ہو۔ اسی طرح جہالت سے مقابلہ بھی کوئی سیاسی سوال نہیں ہے۔ کیا ملک کے طول و عرض میں مدارس کا جال بچھانے کی اسکیم سے کسی کو اختلاف ہو سکتا ہے؟ بیماری سے مقابلہ کرنا بھی کوئی متنازعہ فیہ سیاسی مسئلہ نہیں ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ صحت عامہ کی وسیع تدابیر اختیار کی جائیں اور طبی امداد کی ایسی سہولتیں بہم پہنچائی جائیں کہ وہ آسانی کے ساتھ ہر شخص کے دسترس کے اندر ہوں۔ اگر اسی طرح تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہو جائے گا۔ بیکاری اور غربت و افلاس سے مقابلہ بھی کسی سیاسی مسئلہ کے پیدا ہونے کا سبب نہیں بن سکتا۔ بیکاری تو ہماری ساری برائیوں کی جڑ ہے وہ ایک شیطان ہے جہاں انسان بیکار رہا تو بھوت اس کے سر پر سوار ہو جاتا ہے۔ اسی وقت اس کو دنیا بھر کے برے خیالات سوجھتے ہیں لہذا بیکاری کے خلاف لڑنا ایک اہم سماجی اصلاح ہے اور سماجی اصلاح کے معنی یہ ہیں کہ سب کو روزگار دستیاب ہو۔ اور وہ روزگار حتی المقدور ہر شخص کی قابلیت اور اہلیت کے مطابق ہو۔ اگر اس میں ہم نے کامیابی حاصل کی تو سمجھ لیجئے کہ ہم نے اپنے تمام دشمنوں پر غلبہ حاصل کیا۔ اور ہم نے دونوں محاذ جیت لئے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہم یہ تمام کام کس طرح انجام دیں؟ کیا کام کے وہی ڈھنگ اور طریقے ہیں جو عام طور پر اس زمانہ کے خیال کئے جاتے ہیں؟ دوسری جنگ کے قبل سوائے روس کے بقیہ تمام ممالک میں خانگی سرمایہ اور خانگی مساعی کے ذریعہ ہر ملک کی دولت پیدا کی جاتی رہی جس کو عام طور پر سرمایہ دارانہ معاشی نظام کہا جاتا۔ اس نظام سے دنیا کو فائدہ پہنچا یا نقصان مجھے اس پر بحث کرنی نہیں ہے۔ مسٹر ولیم بیورج کے الفاظ میں اس میں شک نہیں کہ خانگی سرمایہ اور خانگی مساعی کا یہ نظام ضرور ایک ایسا ناؤ یا جہاز رہا ہے جس نے ہم کو اس قدر دور لا کر پہنچا دیا ہے لیکن یہ جہاز صرف اسی صورت میں کام دیتا ہے جبکہ سمندر میں طوفان نہ ہو اگر یہ زمانہ جنگ کے لئے موزوں نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اب جنگ نہیں ہو رہی ہے۔ لیکن دنیا کے کسی حصہ میں بھی جنگ کے زمانہ کی حالت میں بہت کم تبدیلی ہوئی ہے۔ اور طرفہ یہ کہ اب تیسری جنگ کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ ان تمام سے قطع نظر خانگی مساعی کے نظام نے گزشتہ دو جنگوں کے درمیانی زمانہ میں عام بیروزگاری کو دور کرنے میں کوئی حصہ نہیں لیا۔ بلکہ آٹھ دس سال تک اقتصادی پستی اور تجارتی کساد بازاری کا ایسا دور رہا کہ وافر غذا اور پارچہ کی موجودگی میں لوگ غذا اور پارچہ کے لئے ترستے تھے۔ لہذا ہم کو پھر کر آزمانا نہیں ہے۔ اور خاص طور پر اس دوسری جنگ عظیم کے بعد ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے ممالک میں جو عظیم سیاسی انقلاب رونما ہو گیا ہے اور ان ممالک کے باشندوں کی ذہنیتوں میں جو انقلاب آ گیا ہے یہ تمام ایسے مراحل ہیں ان کا پرانے طریقہ والے پیداوار پر اثر پڑنا لازمی ہے۔ آج عوام خانگی سرمایہ، خانگی مساعی اور سرمایہ داروں کے رحم و کرم پر زندہ درگوری کی سی زندگی کے دن کاٹنا نہیں چاہتے بلکہ آج وہ فوراً تبدیلی چاہتے ہیں۔ اور وہ فوراً پیٹ بھر غذا، کافی پارچہ اور رہائش کے قابل مکانات چاہتے ہیں۔ آپ ان کے ان مطالبات کو اور زیادہ عرصہ تک ٹال نہیں سکتے۔ لہذا ایک منصوبہ بندی لازمی ہے اور وہ قومی اور جمہوری ہونی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ملک کی صنعتوں اور ملک کی ساری پیداوار و مساعی کی رہنمائی ایک قومی منصوبہ بندی کے ذریعہ کی جائے اور یہ صنعتیں اور یہ پیداوار و مساعی بالراست مملکت کے کنٹرول میں ہوں اور مملکت کی جانب سے ان کی ہمت افزائی ہو۔ مقصد یہ ہے کہ طلب اور رسد میں بہتر توازن قائم ہو اس توازن کو نظر انداز کرنے والی اور ناقابل کنٹرول قوتوں کی خود روی کارگزاری پر چھوڑنے کے بجائے پیداوار یا تقسیم یا دونوں پر باشعور اور سمجھ بوجھ کے ساتھ قائم کئے ہوئے ایک کنٹرول کے تابع لانا چاہئے۔ اسی کو منصوبہ بندی کہتے ہیں ایسی ایک منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہے کہ سماج میں تمام اراکین کا معیار زندگی اونچا ہو۔

مسٹر مارٹن اگروال کے الفاظ میں منصوبہ بندی ایک نئی مشنری کے مماثل ہوتی ہے جس سے اچھا بھی کام لیا جا سکتا ہے اور برا بھی — جیسا کہ سویٹ روس میں انفرادی آزادی کو قربان کر کے عوام کے معیار زندگی کو بڑھایا جا سکتا ہے اور نازی جرمنی کے مماثل ایک بڑی جنگی معیشت تیزی کے ساتھ قائم کرنے کی خاطر نہایت بیداری کے ساتھ عوام سے کام لے کر روزگار کے حالات بہتر بنانے میں کامیابی حاصل کرنا ممکن ہے۔ ہماری منصوبہ بندی کا یہ نتیجہ برآمد ہونا چاہئے کہ عوامی سماجی اور سیاسی زندگی کی وہ آزادیاں ختم ہو جائیں جو جمہوریت کے اہم اجزا سمجھی جاتی ہیں۔ صاف الفاظ میں بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہماری منصوبہ بندی کا مرکزی کنٹرول کے لئے نہیں بلکہ جمہوریت کو آگے بڑھانے کی خاطر ہونی چاہئے۔

(باقی [illegible])

ترکی میں پارلیمانی سیاست

(بقیہ سلسلہ صفحہ اول)

یہ توقع کی جاتی ہے کہ بجٹ کی دشواری کے سلسلہ میں مجلس اسمبلی نئی حکومت کا ساتھ دے گی اور حکومت کے ساتھ انتہائی نرمی کا سلوک کرے گی۔ لیکن اب یہ معلوم ہوا ہے کہ جنوری کے اختتام تک نئی کابینہ نے ابھی بجٹ منظور نہیں کیا ہے۔ اگر بجٹ جنوری کے اختتام تک منظور نہ ہوا تو حکومت فروری کے لئے بھی ایک عارضی قرضہ کا مطالبہ کرے گی۔ تاکہ ماہ فروری کے اخراجات برداشت کئے جا سکیں۔ ایک اور بات جس کی وضاحت بھی کی جانی چاہئے وہ یہ ہے کہ دسمبر کے تیسرے ہفتہ سے انقرہ میں برطانیہ اور ترکی کے درمیان جو بات چیت ہوئی اس کا برطانوی تجارت پر کیا اثر پڑا۔

بیرونی پالیسی کے معاملات پر مجلس اسمبلی بلا شک و شبہ متحد ہے۔ لیکن اندرونی پالیسی میں بحث کے علاوہ نئی کابینہ کو کئی مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اندرونی اختلافات میں زیادہ اہمیت رکھنے والا مسئلہ انتخابات کا قانون ہے جو ابھی موجودہ حالت میں چھوٹی مخالف جماعتوں کے تقریباً سب ممبران کی نظر میں اس طرح پایا جاتا ہے کہ حکومت اس کا غلط استعمال کر سکتی ہے۔ کابینہ نے مخالفت کی شکایات کو رفع کرنے کے لئے چند ترمیمات کو بھی وضع کر لیا تھا اس کے باوجود مخالف جماعتوں کو ان مراعات سے تسلی حاصل نہ ہو سکی۔ اور اس نے احتجاجاً ان جماعتوں کے خلاف ترکی کے صوبوں میں گزشتہ اکتوبر میں منعقد شدہ انتخابات کا بائیکاٹ کیا تھا معلوم ہوا ہے اس وقت سے ترکی کی حکومت قانون انتخاب کے متعلق برطانیہ، فرانس اور سوئیزرلینڈ کے ماہرین قانون سے غیر جانبدارانہ رائے حاصل کرنے کی کوشش کرتی رہی۔

سرکاری حلقوں کے بیان کے مطابق ان ممالک سے جو جوابات موصول ہوئے وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ترکی کا قانون بالکل جمہوری اصول پر ہے۔ مخالف جماعتیں یہ کہتی ہیں کہ قانون بذات خود ٹھیک ہے لیکن دشواری اس پر عمل کرنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح یہ مسئلہ ابھی حل طلب ہے۔ اور نئی حکومت کے لئے اس مسئلہ کا کوئی حل تلاش کرنا ہے اس مسئلہ کے ساتھ عام انتخابات کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ یہ انتخابات ۱۹۵۰ء تک ہونے چاہئیں۔ لیکن مخالف جماعتیں اس بات پر مصر ہیں کہ انتخابات جلد منعقد کئے جائیں کیونکہ ۱۹۴۶ء میں جو انتخابات ہوئے تھے وہ غیر متبدل حالات کے تحت تھے لہذا قوم کی نمائندگی ٹھیک طور پر ان انتخابات سے نہیں ہو سکتی تھی۔

ناظم استصواب عامہ

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۳)

باجپائی سے کشمیر میں عارضی صلح کے سلسلے میں ملاقات کی۔ کل یہ دونوں اراکین فوجی مشیر جنرل ڈلوائی کے ہمراہ راولپنڈی روانہ ہوں گے جہاں وہ کشمیر کے دوسرے اراکین سے ملیں گے جو اس وقت راولپنڈی میں پاکستانی نمائندوں سے گفت و شنید کر رہے ہیں۔

یونیورسٹی سے لوٹتے ہوئے

(بقیہ سلسلہ صفحہ ۵)

پر وہ بھی حائل نہ ہو تو عورت کا خیال کیوں کر نہ آئے۔ غرض کہ مغرب میں زمین کی ساخت اور وہاں کی آب و ہوا نے کچھ ایسے سماجی اصول بنا دئے جو صرف ایک شدت سے مادی نقطۂ نظر کے اذہان اور قلوب پیدا کر سکتے تھے جن کے بنیادی اصول پر صرف گرسنگی اور شہوت ہی غالب ہو سکتی تھی۔ چنانچہ مسٹر فرائڈ بھی اسی اصول میں سے ایک تک پہنچ سکا۔ جہاں صدیوں سے عورت مردوں کے ذہنوں پر سوار رہی ہو وہاں کے لوگوں کے ذہنوں کا جائزہ جتنا تجزیہ کیا جاتا عورت ہی نتیجہ میں نکل سکتی تھی چنانچہ بیچارا فرائڈ مجبور ہوا کہ اپنے تجربات کے نتائج کو کل سمجھ کر دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھائے فرائڈ بذات خود بڑا نیک اور برگزیدہ شخص تھا اپنی معصومیت کی وجہ سے اُسے مسیح کا لقب دیا جاتا تھا ایسا معصوم شخص بھی لا انتہا مجبور ہوا کہ وہ یہی کہے کہ زندگی کے ہر شعبہ پر جنسیت ہی حاوی ہے اور کچھ نہیں بالکل اسی طرح جیسے اس کا دوسرا حریف مارکس کہتا ہے کہ زندگی اور اس کی تاریخ کی تشکیل مادی ضروریات ہی کرتی رہی ہیں اور کچھ نہیں۔

ہندوستانی بیچارے کس شمار میں۔ ان کے ذہن برسوں کے غلام۔ تجربات کے لئے ان کے پاس سامان کہاں اور نہ ان کے پاس فرصت کہ علمی تحقیقات میں پڑ سکیں۔ کسب معاش نے شوق کا گلا ہی گھونٹ دیا اگر کسی میں شوق پیدا بھی ہوا۔ چنانچہ شعور کے ساتھ ان کا ذہن بھی مغرب کا غلام ہو گیا اور یہ بھی وہیں کے تال پر رقص کرنے لگے اور خوب خوب رقص کر رہے ہیں۔

ہاں تو آج ہمارے ادبیات پر مزدور، کسان غربت اور عورت سوار ہے۔ لیکن غور تو کیجئے کیا زندگی کی کائنات انہیں عزیزوں کی تصحیح یا صرف انہیں کی راحت کے ازالہ پر موقوف ہے۔ پیاسے آدمی کو ہر جگہ پانی نظر آئے گا اور وہ ہر وقت پانی مانگے گا اور اس کی زندگی کا مقصد ہی پیاس کی تسکین نظر آئے گا لیکن اگر کسی طرح اسے پانی پلا دیا جائے یا اتفاق سے اُسے پانی مل جائے تو کیا وہ پیاس کی تسکین کے بعد اپنی زندگی ختم سمجھے گا یا اسے ختم کر دے گا ہرگز نہیں البتہ اس کا احتمال ضرور ہے کہ کبھی وہ اتنا پانی نہ پی جائے کہ واقعی پانی ہی اس کی زندگی کا خاتمہ کر دے۔ غذا ہمارے ہوش و حواس اور جسم کو برقرار رکھنے کے لئے یقینی ایک نہایت ہی ضروری چیز ہے اس کے بغیر کے یقینی ہم زیادہ عرصہ تک زندہ نہیں رہ سکتے نہ ہمارے ہوش و حواس زیادہ عرصہ تک برقرار رہ سکتے ہیں لیکن بھوک کا درجہ اتنا بھی بلند نہیں کہ ہمیں اپنی زندگی کی کل تاریخ ہی بھوک کو تقدیر سے تسکین دینے کا ایک ہی مسلسل نظر آنے لگے۔ اسی طرح عورت مردوں کے لئے اور مرد عورتوں کے لئے ضرور سامان حظ ہیں ایسا سامان جن کے بغیر ایک دوسرے کی زندگی سنسان ہو جائے اور زندگی میں کوئی لطف نہ رہے اور جب زندگی میں کوئی لطف نہ رہے تو ایسی زندگی بھلا کون بسر کرنا چاہے گا۔ آدم حوا کے بغیر اور حوا آدم کے بغیر اس دنیا میں کیونکر جی سکتے تھے ایک دوسرے کے دل بہلانے کے لئے ایک کے لئے دوسرے کا ہونا یقینی انتہا ضروری ہے لیکن یہ دلچسپی بھی ہماری زندگی کا ایک جزو ہے اور بہت اہم جزو لیکن کل نہیں۔ اور اگر اسے بھی کل سمجھ لیا گیا تو اس میں بھی زندگی کی فنا لازمی ہے بالکل اسی طرح جیسے کسی پیاسے کو پانی مل جائے اور وہ پیتا ہی چلا جائے موجودہ معیارات نظر یقیناً وقتی ہیں اور کل ہی حقیقتیں ضرور افسانہ ہو جائیں گی۔

یقینی دنیا آج بڑے ابتلا اور مصیبت کے دور سے گزر رہی ہے۔ سامان غذا اور سامان تفریح کی کمی اور غلط تقسیم نے ذہنوں کو کچھ اس قدر مفلوج کر دیا ہے کہ اب ہم ان سے ہٹ کر کچھ سوچ بھی نہیں سکتے اور بعض لوگ تو سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔ ہماری اسی اعصاب زدگی کا نتیجہ یہ ہے کہ ہماری سیاست ہماری معیشت اور ہماری ادبیات سب انہیں دو قطبین کے درمیان محصور ہو کر رہ گئی ہیں اور صرف یہی نہیں انہیں کی خاطر جنگیں لڑی گئی ہیں اور مزید جنگوں کی تیاریاں ہیں لیکن کیا یہ ہندوستان جس نے اپنے کو ہمیشہ مادیت سے بلند رکھا ہے جس نے اپنے نفس اور اپنا آقا کرتا ہو ہمیں کر دینے کو ایک فلسفہ بنا لیا ہے اور کیا وہ اسلام جس نے ہر مادی ضرورت کی تسکین میں اعتدال قائم رکھنے کو کہا ہے۔ مادی انتہا پسندوں کی اس ماتمی ذہنی اور علمی زوال کا نمونہ ہیں اپنے

اشتہار مجریہ محکمہ نظامت عدالت دیوانی ضلع پربھنی۔ باجلاس

مولوی رضا محمد خان صاحب نائب ناظم عدالت ضلع پربھنی واقع ۱۳ اردی بہشت ۱۳۵۵ف نمبر مقدمہ ع ۸ ۱۳۵۵ف صیغہ ابتدائی اجلاس دوم۔ مقدمہ۔ مدعی۔ دھونڈیا ولد رانگھوجی قوم لوہار عمر ۴۵ سالہ پیشہ زراعت ساکن رام پوری بزرگ تعلقہ پاتھری۔ بنام مدعی علیہم۔ (۱) بشیر ولد ... قوم مسلمان عمر ۳۰ سالہ پیشہ زراعت ساکن رام پوری بزرگ تعلقہ پاتھری۔ (۲) لکشمی بائی زوجہ مارو تی راو قوم اوڑ عمر ۴۰ سالہ پیشہ و سکونت صدر۔ دعویٰ۔ استقرار حق ملکیت و بحالی قبضہ مع صدور حکم امتناعی دوامی اس امر کا کہ مدعی علیہم مدعی کے قبضہ مالکانہ متعلق اراضی سروے (۵۴۳) ۲۰ ایکڑ ۲۰ گنٹہ محاصلی (...) موسومہ درگاہ کی کی نصف جانب مغرب میں مداخلت و مزاحمت نہ کریں۔ و استقرار حق کرایا تے شکمی نصف صدر۔ بنام (۱) بشیر ولد ... قوم مسلمان عمر ۳۰ سالہ پیشہ زراعت ساکن رام پوری بزرگ تعلقہ پاتھری مدعی علیہ نمبر (۱)۔ (۲) لکشمی بائی زوجہ مارو تی راو قوم اوڑ عمر ۴۰ سالہ پیشہ و سکونت صدر مدعی علیہا نمبر (۲)۔ ہرگاہ مقدمہ صدر میں منجانب مدعی دعویٰ مذکور الصدر عدالت ہذا میں دائر ہوا ہے۔ نیز ایک درخواست حکم امتناعی عارضی بھی پیش ہوئی ہے قبل ازیں عدالت ہذا سے متعدد بار سمن اجرا ہو چکے ہیں۔ لیکن وہ بلا تعمیل واپس ہوئے ہیں۔ لہذا تم کو ذریعہ ہذا اشتہار کیا جاتا ہے کہ تم اصالتاً یا وکالتاً عدالت ہذا میں بتاریخ ۲۴ خورداد ۵۵ف حاضر ہو کر مقدمہ صدر کی پیروی و جوابدہی کرو۔ بصورت عدم حاضری تمہارے خلاف حسب ضابطہ کارروائی کیجائے گی پھر کوئی عذر قابل مسموع نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۱۳ اردی بہشت ۱۳۵۵ف میری دستخط و مہر عدالت کے جاری کیا گیا فقط

شرعدہ دستخط صیغہ دار صاحب — شرعدہ دستخط منتظم صاحب عدالت

اشتہار منصفی تعلقہ آرمور ضلع نظام آباد۔ حاضری مدعی علیہم بحرہ عدالت

واقع ۴ خورداد ۱۳۵۵ف نمبر مقدمہ ۱۲/۱۳۵۵ف باجلاس مولوی محمد عبد اللہ صاحب فاروقی بی اے، ایل ایل بی، ایم، منصف۔ کشٹا ولد کرنا قوم دھنگر ساکن چکران پلی تعلقہ آرمور مدعی۔ بنام سائلجی وغیرہ مدعی علیہم۔ دعویٰ طلب زوجہ۔ بنام سائلجی زوجہ کشٹا قوم دھنگر عمر ۲۰ سال پیشہ ذاتی ساکن چکران پلی تعلقہ آرمور۔ ۲) بولا کشٹا ولد دینکیا قوم دھنگر عمر ۴۰ سال پیشہ ذاتی ساکن چکران پلی تعلقہ آرمور حال مقیم اوستاپلی تعلقہ سرسلہ مدعی علیہم۔ مقدمہ صدر میں تمہارے نام متعدد مرتبہ عدالت ہذا سے مقام سکونت پر سمن اجرا کئے گئے صحیح پتہ نہ چلنے سے سمن کی تعمیل ذات پر نہیں ہو رہی ہے حسب استدعا مدعی ذریعہ اشتہار ہذا اطلاع دیجاتی ہے کہ تم بتاریخ ۱۹ خورداد ۱۳۵۵ف یوم سہ شنبہ بوقت (۱۰) ساعت عدالت ہذا میں اصالتاً یا وکالتاً حاضر ہو کر جوابدہی مقدمہ کرو ورنہ حسب ضابطہ تمہارے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ آج بتاریخ ۴ خورداد ۱۳۵۵ف میری دستخط و مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

شرعدہ دستخط صیغہ دار صاحب۔ شرعدہ دستخط محمد عزیز الرحمن صاحب منتظم عدالت

اشتہار دیوانی منصفی تعلقہ کنڑ ضلع اورنگ آباد۔ حاضر مدعی علیہ۔ ۶ از محکمہ عدالت

نمبر مقدمہ ۸ بابتہ ۱۳۵۵ف باجلاس مولوی محمد عبد العزیز خان صاحب بی اے، ایل ایل بی، منصف تعلقہ کنڑ۔ مدعی رشید خان بنام محمد یوسف مدعی علیہ۔ دعویٰ۔ (نام مدعی علیہ) بنام محمد یوسف ولد عبد المیاں عمر ۳۵ سال پیشہ زراعت سکنہ ترکل تعلقہ کنڑ حال مقیم ساتگاؤں علاقہ سند۔ ہرگاہ مدعی نے تمہارے نام مقدمہ صدر کا ایک دعویٰ عدالت ہذا میں پیش کیا ہے۔ تمہارے نام بغرض حاضری و جوابدہی عدالت ہذا سے سمن بھی جاری کئے گئے لیکن تم حاضر عدالت نہیں ہوتے۔ بلکہ بوجہ تبدیلی سکونت سمن کی تعمیل بھی تمہارے ... پر نہ ہو سکی اس لئے اب ذریعہ ہذا اطلاع دیجاتی ہے کہ تم بتاریخ ۱۲ خورداد ۱۳۵۵ف بوقت (۸) بجے دن اصالتاً یا وکالتاً حاضر عدالت ہذا ہو کر مقدمہ مذکور میں جوابدہی کرو۔ بصورت ثانی کارروائی ضابطہ عمل میں آئے گی پھر کوئی عذر مسموع نہ ہوگا۔ آج بتاریخ ۲۶ اردی بہشت ۱۳۵۵ف بثبت میری دستخط اور مہر عدالت سے جاری کیا گیا فقط

شرعدہ دستخط صیغہ دار صاحب — شرعدہ دستخط منتظم صاحب عدالت

اشتہار مجریہ عدالت خفیفہ بلدہ۔ اجلاس نظامت اول صیغہ ابتدائی مورخہ ۱۲ خورداد ۱۳۵۵ف نمبر مقدمہ (۹۲) بابتہ ۵۵ف رجسٹر (۱)

باجلاس اول عالیجناب سید محمد تقی صاحب بلگرامی ناظم اول بارایٹ لا۔ نسیم القدوس مدعیہ۔ بنام محمد عبد الحمید وغیرہ مدعی علیہم۔ دعویٰ مبلغ (...) سکہ عثمانیہ۔ بنام (۲) محسن علی ولد ... قوم شیخ عمر ۳۶ سال پیشہ ملازم نائب منتظم فینانس ڈائرکٹر افواج سرکار عالی ساکن ملک پیٹھ مکان ۱۱۲۵ مدعی علیہ۔ مقدمہ صدر میں تمہارے نام سمن بتاریخات ۲۷ بہمن ۵۵ف و ۲۰ اسفندار ۵۵ف و ۲۱ فروردی ۵۵ف و ۲۳ اردی بہشت ۵۵ف جاری کئے گئے جو رخصت پر ہونے کی وجہ تعمیل نہیں پائے منجانب مدعیہ درخواست طبع اشتہار پیش ہوئی ہے۔ بمنظوری درخواست ذریعہ ہذا اطلاع دیجاتی ہے کہ بتاریخ ۲۴ خورداد ۱۳۵۵ف یوم یکشنبہ وقت (۸) ساعت مقدمہ صدر میں پیروی و جوابدہی کرو بصورت عدم حاضری کارروائی ضابطہ عمل میں آئے گی فقط

شرعدہ دستخط صیغہ دار صاحب۔ شرعدہ دستخط منتظم صاحب عدالت۔
